مکرراتِ قرآن اور امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر حبیب اللہ چشتی ۞

ABSTRACT

Mukarrarāt-ul-Qur'ān means the repetition of any āyah or story in the Qur'ān. Imām Biqā'ī, in his commentary *Naẓm al-durar fī tanāsub al-āyāt wa-'l-suwar*, is of the view that such repetition is not repugnant to the eloquence of Qur'ān, rather it adds to its beauty and conveys specific meanings in a particular context. Moreover, the Qur'ān never repeats the *full* description of an event but only a particular section which is closely related to the theme of the second sūrah. In addition to describing this as a principle, Imām Biqā'ī also presented numerous arguments for it in his commentary. The present article investigates these arguments.

امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابراہیم بن عمر بن حسن الرباط بن علی ہے۔ کنیت ابو الحسن اور لقب برہان الدین ہے۔ ۸۰۹ھ میں شام کے ایک گاؤں خربہ روحا کے نواح میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچا شہاب بقاعی سے حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے متعدد شہروں کا سفر کیا، قاہرہ اور بیت المقدس بھی گئے۔ ۸۸۵ھ میں وفات پائی۔ مختلف علوم وفنون پر بیسیوں کتب تصنیف کیں۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت آپ کی تفسیر **نظم الدرر في**

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج فار بوائز، ایچ ایٹ، اسلام آباد

تناسب الآیات والسور کو ملی۔ یہ تفسیر قرآن کریم میں ربط و مناسبت کے نقطۂ نظر سے ایک بے مثال تفسیر ہے۔ زیر نظر مضمون اسی تفسیر کی روشنی میں مکرراتِ قرآن کے سلسلے میں امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب کو واضح کرنے کی ایک کوشش ہے۔[۱]

مکررات کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

مکَرَّراتْ کا لفظ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔اس کا مادۂ اصلی ک ر ر ہے۔کَرَّ یکُرّ کَرًّا و کُرُوْرًا کے مادے میں لوٹنے اور پلٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کَرَّ فَلانٌ کا مطلب ہے وہ شخص پلٹا یا لوٹا کَرَّ الَّیْلُ وَالنَّھارُ کا مطلب ہے رات اور دن کا بار بار آنا۔جب کَرَّ فعل متعدی ہو کر کَرَّرَ بنا تو اس میں کسی چیز کو لوٹانے یا اس کا اعادہ کرنے کا معنی پیدا ہو گیا۔علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"کررّ الشيء وکرکره: أعاده مرة بعد أخری... ویقال کررت علیه الحدیث وکرکرته، إذا رددته علیه... و الکرّ: الرجوع علی الشيء." [۲]

کرر الشيء وکرکره کا معنی ہے کسی دوسری چیز کے بعد اس چیز کو لوٹانا۔۔۔کررت علیه الحدیث وکرکرته اس وقت کہا جاتا ہے جب اس پر کوئی چیز لوٹائی جائے۔۔۔اور الکر کا معنی کسی چیز کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔

یہ لفظ اسی مفہوم میں متعدد صورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ابراہیم مصطفی اس کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کر الّیل والنهار عادا مرة بعد أخری وعلی العدو حمل وعنه رجع وعلیه الحدیث أعاده، (کرر) الشيء تکریرا وتکرارا

۱- امام بقاعی کے مختصر حالات کے لیے دیکھیے: خیر الدین زرکلی، **الأعلام**، بیروت، دار العلم للملایین، ۲۰۰۲، ج۱، ص ۵۶

۲- محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، **لسان العرب**، مادہ کرّر، ج۵، ص۱۳۵، دار صادر، بیروت

أعاده مرة بعد أخرى، (تكرر) عليه كذا أعيد عليه مرة بعد أخرى." [۳]

كرالّيل و النهار کا معنی ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے بعد آئے۔ کر علی العدو کا مطلب ہے اس نے حملہ کیا۔کرّعنه کا مطلب ہے وہ لوٹا۔ کر علیه الحدیث کا معنی ہے اس نے اس پر بات کو لوٹایا۔ کرر الشيء تکریرًا و تکرارًا کا مطلب ہے اس نے دوسری چیز کے بعد پھر اسی چیز کا اعادہ کیا۔تکرر علیه کذا وہ چیز اس پر دوبارہ لوٹائی گئی۔

قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جب منکرین حق اپنی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے:

﴿ لَوۡ أَنَّ لَنَا كَرَّةً ﴾ [۴]

کاش ہمیں (دنیا کی طرف) پلٹنا مل جاتا۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر مجرم کہے گا۔

﴿ لَوۡ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴾ [۵]

اگر میرا دنیا میں ایک بار پھر جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔

اس لغوی تحقیق سے واضح ہو رہا ہے کہ اس مادہ میں لوٹنے، پلٹنے یا رجوع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

تکرار کا اصطلاحی معنی ہے کلام میں ایک ہی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرنا۔ اس کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے۔

۳- ابراہیم مصطفیٰ ودیگر، **المعجم الوسیط**، باب الکاف، ج ۲، ص ۷۸۲، دار الدعوۃ

۴- سورۃ البقرہ: ۱٦۷

۵- الزمر: ۵۸

التكرار: الإتيان بالشيء مرة بعد أخرى، ذكره ابن الكمال. وفي المصباح: تكرير الشيء إعادته مرارًا.[۶]

تکرار کا مطلب ہے ایک ہی چیز کا بار بار ذکر کرنا۔ اسے ابن کمال نے ذکر کیا ہے اور مصباح میں ہے کہ تکریر الشيءالشيء کا معنی ہے اس چیز کا بار بار اعادہ کرنا۔

کلام میں تکرار محاسنِ کلام میں سے نہیں ہے بلکہ یہ کلام کا عیب ہے، عمدہ کلام کی ایک خوبی یہ بھی بیان کی گئی ہے۔

سلامته من التكرار الذي هو من عيوب الكلام.[۷]

وہ تکرار سے پاک ہو جو کہ کلام کے عیوب میں سے ہے۔

مکرراتِ قرآن کا مفہوم:

مکرراتِ قرآن سے مراد وہ آیات یا وہ واقعات ہیں جنہیں ایک ہی سورت یا مختلف سورتوں میں دہرایا گیا ہو۔ یہ کوئی اس "تکرار" کی طرح کی چیز نہیں ہے جو ادبی محاسن کے منافی ہے، بلکہ ایسے مواقع پر بظاہر ایک چیز دہرائی جا رہی ہوتی ہے لیکن اس کا پس منظر مختلف ہونے کی وجہ سے اس مقام پر نئے معانی و مفاہیم بیان ہو رہے ہوتے ہیں۔

علامہ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ اس تناظر میں لکھتے ہیں:

ما فائدة تكرار القصة في سور كثيرة... تذكر القصة كالبرهان على الغرض المسوقة هي معه، فلا يعدّ ذكرها مع غرضها تكريرا لها لأن سبق ذكرها إنما كان في مناسبات أخرى.[۸]

۶- محمد عبدالرؤف مناوی، التوقيف على مهمات التعاريف، قاہرہ، عالم الکتب، ۱۹۹۰، ج۱، ص۲۰۱

۷- خطیب قزوینی، الإيضاح في علوم البلاغة، ج۱، ص۱۷۵، بیروت، دار احیاء العلوم ۱۴۱۹ھ

۸- محمد طاہر ابن عاشور، التحرير و التنوير، دار سحنون للنشر والتوزیع، تونس، ۱۹۹۷ء، ج۱، ص۶۸،

ایک ہی قصے کا متعدد سورتوں میں دہرانے کا کیا فائدہ ہے ؟۔۔۔ ایک قصے کا تذکرہ اس مقصد کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کی طرح ہوتا ہے جو وہاں زیر بحث ہو۔ اس مقصد کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس قصے کا اعادہ تکرار نہیں کہلائے گا؛ کیونکہ پہلے اس کا ذکر دیگر مناسبتوں سے تھا۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس تناظر میں لکھتے ہیں:

تكرار القصة الواحدة في سور القرآن أكثر من مرة إنما هو لتحقيق مقاصد وأهداف ومعان كثيرة، لتكون ماثلة أمام الأعين في كل جيل. ولكن تكرارها لم يكن مملّا وإنما كان بأساليب متنوعة تجتذب الأنظار، وتنبه العقول، وتطرد السامة والملل من نفس القارئ والسامع. (۹)

قرآن کریم کی سورتوں میں کسی قصے کا ایک سے زیادہ مرتبہ تکرار متعدد مقاصد، اہداف اور بہت سے معانی کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے، تاکہ وہ ہر نسل کی آنکھوں کے سامنے ایک روشن چراغ ہو جائے۔ لیکن یہ تکرار اکتا دینے والا نہیں ہوتا۔ یہ ایسے متنوع اسالیب سے ہوتا ہے (جن کی کشش) نظروں کو کھینچ لیتی ہے اور عقلوں کو ہشیار کرتی ہے اور پڑھنے والے اور سننے والے سے اکتاہٹ اور بے دلی کو ختم کر دیتی ہے۔

مکررات قرآن کے متعلق ایسے ہی خیالات کا اظہار مناع القطان نے بھی کیا ہے۔ (۱۰)

جن مفسرین نے اپنی تفاسیر میں قرآن کریم میں نظم و مناسبت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ ان سب نے تقریباً ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے، لیکن اس میدان میں امام بقاعیؒ کا ایک منفرد اور ممتاز مقام ہے، انہوں نے اپنی تفسیر میں ایسے موقعوں پر بہت سے اسرارِ قرآنی واضح کیے ہیں۔

۹- وہبہ زحیلی، التفسير المنير ، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، ج۶، ص ۴۸۴

۱۰- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مناع القطان، مباحث في علوم القرآن، ریاض، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، ص۳۱۸-۳۱۹

قرآن کریم میں بعض قصے اور آیات تکرار کے ساتھ آئے ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ سورۃ البقرہ، آل عمران، المائدہ، الاعراف، الاسراء، الکہف، مریم اور سورۃ طٰہٰ میں کئی بار دہرایا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں تینتالیس مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ نوح، الاسراء، الانبیاء، الشوریٰ، النجم اور سورۃ القمر وغیرہ میں اسے بتکرار ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سورۃ البقرہ، النساء، المائدہ، الانفال، یونس، ہود، ابراہیم، طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء وغیرہ میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ بعض دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بھی قرآن کریم میں تکرار سے ذکر کیے گئے ہیں۔

اس طرح بعض آیات بھی تکرار سے ذکر کی گئیں ہیں، مثلاً یہ آیۂ کریمہ سورۃ الشعراء میں آٹھ مرتبہ آئی ہے:

﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ * وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ (۱۱)

سورۃ القمر میں یہ آیۂ کریمہ چار مرتبہ ذکر کی گئی ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ (۱۲)

اور سورۃ الرحمن میں یہ آیۂ کریمہ اکتیس مرتبہ ذکر کی گئی ہے:

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ (۱۳)

سوال یہ ہے کہ کیا یہ تکرار قرآنی فصاحت وبلاغت کے منافی ہے یا اس تکرار سے کوئی اہم فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ اور کیا یہ تکرار قرآن کریم کے نظم ومناسبت کی نفی کرتا ہے یا قرآنی نظم ومناسبت اس تکرار کے فوائد وثمرات کو واضح کرنے کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے؟ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر سورت کا جو مقصود ہوتا ہے، جب اس میں کسی قصے کو تکرار سے ذکر کیا جاتا ہے تو اس قصے کا وہی حصہ ذکر کیا جاتا ہے جو سورت کے اس مقصود کی وضاحت کر رہا ہوتا ہے؛ یعنی یہ تکرار عبث اور بے مقصد نہیں ہوتا بلکہ اس کو مقصودِ سورہ پر استشہاد کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آیت کا تکرار بھی ماقبل پر دلیل ہوتا ہے، اگرچہ الفاظ

۱۱- سورۃ الشعراء: ۱۲۱-۱۲۲

۱۲-سورۃ القمر: ۲۲

۱۳- سورۃ الرحمن: ۱۶

یکساں ہوتے ہیں لیکن ما قبل پر دلالت کی وجہ سے اس سے مراد اور چیز ہوتی ہے۔ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اس تناظر میں فرماتے ہیں:

وبه يتبين لک أسرار القصص المكرّرات، وأن كل سورة أعيدت فيها قصة، فلمعنى ادعي في تلک السورة استدل عليه بتلک القصة غير المعنى الذي سيقت له في السورة السابقة، ومن هنا اختلفت الألفاظ بحسب تلک الأغراض وتغيرت النظوم بالتأخير والتقديم والإيجاز والتطويل مع أنها لايخالف شيء من ذلک أصل المعنى الذي تكونت به القصة.[۱۴]

اور اس سے مکرر ذکر کیے گئے قصوں کے اسرار و رموز واضح ہو جاتے ہیں نیز یہ کہ ہر سورت میں جس قصے کا اعادہ کیا جاتا ہے تو وہ اس معنی کو واضح کرنے کے لیے ہوتا ہے جس کا دعویٰ اس سورت میں کیا گیا ہوتا ہے اور اس قصے سے اس دعوے پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہ معنی اس معنی کے علاوہ ہوتا ہے جس کے لیے پچھلی سورت میں اس قصہ کو ذکر کیا گیا تھا؛ یہی وجہ ہے کہ مقصد کے مختلف ہونے کے سبب الفاظ مختلف ہو جاتے ہیں۔ تاخیر و تقدیم اور ایجاز و تطویل کے نقطۂ نظر سے الفاظ کی بندش بدل جاتی ہے لیکن یہ سب کچھ اس قصے کی اصل مراد کے منافی نہیں ہوتا۔

یعنی کسی بھی قصے کا تکرار بے مقصد نہیں ہوتا، بلکہ اس اصل مقصد کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے جو اس سورت کا مقصد و مدعا ہوتا ہے۔ خلطِ مبحث سے بچنے کے لیے اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

مبحث اول: تکرارِ قصہ

مبحث دوم: تکرارِ آیت

۱۴- امام ابراہیم بن عمر بقاعی، **نظم الدرر في تناسب الآيات والسور**، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۸

مبحث اوّل:

تکرارِ قصہ

بسا اوقات ایک ہی قصہ قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں دہرایا جاتا ہے؛ کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً۔ کہیں اس کا ایک جز ذکر کیا جاتا ہے اور کہیں دوسرا۔ مثلاً سیدنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا قصہ متعدد سورتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ (آیات ۲۹ تا ۳۸)، سورۃ الاعراف (آیات ۱۰ تا ۲۴)، سورۃ طٰہٰ (آیات ۱۱۴ تا ۱۲۲) اور سورۃ ص (آیات ۷۰ تا ۸۵) اس کے علاوہ بعض اور سورتوں میں بھی یہ قصہ اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کا قصہ بھی متعدد سورتوں میں ذکر کیا گیا ہے، مثلاً سورۃ النمل (آیات ۱۵ تا ۴۴)، سورۃ الانبیاء (آیات ۷۸ تا ۸۱)، سورۃ ص (آیات ۳۰ تا ۴۰) نیز یہ قصہ سورۃ البقرہ، النساء، الانعام اور سورۃ سبا میں بھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

امام بقاعی رَحِمَہُ اللّٰہ عَلَیْہِ بڑے زور دار اور مدلل انداز میں اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ متعدد سورتوں میں ایک ہی قصہ ایک ہی مقصد کے لیے نہیں آتا، بلکہ اس کا مقصود اس مضمون کی وضاحت ہوتا ہے جو سورت کا مقصد اصلی یا عمود ہوتا ہے؛ کیونکہ قرآن کریم میں نظم و مناسبت کی رعایت رکھنے سے یہ حقیقت سب پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ایک ہی قصہ متعدد اغراض کے لیے متعدد مقامات پر دہرایا جاتا ہے۔

اس بات کو واضح کرنے کے لیے صرف دو قصوں کی مثال دی جائے گی، قصۂ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور قصۂ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام۔

قصۂ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام :

حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا واقعہ سورۃ البقرہ میں ان آیات کے بعد آیا ہے:

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَٰتًا فَأَحْيَٰكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٭ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ فَسَوَّىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَٰوَٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴾[۱۵]

۱۵- سورۃ البقرہ: ۲۸۔۲۹

> تم اللہ تعالیٰ کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندگی بخشے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے؟ وہی ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمان کی جانب متوجہ ہوا تو انہیں درست کر کے سات آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت و فضیلت کا ذکر فرمایا کہ سب کچھ میں نے اس کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس سے پہلی آیت میں حیات بعد الموت پر دلیل ہے۔اور واضح رہے کہ سورۃ البقرہ کا مقصود امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیات بعد الموت ہی ہے۔[۱۶] اس کے بعد قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام کو بیان فرمایا۔ یہاں اس کے بیان کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید سے بیان فرمایا کہ نوعِ انسانی کو فنا کے گھاٹ اترنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اسے باقی رہنے کے لیے پیدا کیا۔ اور یہ اس بات سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو انسانوں کے نفع کے لیے پیدا کیا۔ بعض چیزیں ان کا رزق ہیں اور بعض رزق کے اسباب ہیں۔ بعض فرشتے انسانوں کے اعمال کی حفاظت پر، بعض انہیں روزی مہیا کرنے پر اور بعض روح پھونکنے پر متعین ہیں۔۔۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کو ذکر فرمایا تاکہ وہ ان آیات کے خلاصہ و مدعا پر ایک واضح دلیل اور روشن مثال بن جائے کہ اس کائنات میں انسان ہی مقصود بالذات ہے۔ اور یہ چیز حکمت کے خلاف ہے کہ اسے موت کے بعد زندہ نہ کیا جائے، اس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ایک ایسے جہان کی طرف منتقل کیا جائے جس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ اور وہاں حکمت بالکل واضح ہو جائے جس میں کوئی خفا نہ ہو۔[۱۷]

۱۶- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: **نظم الدرر**، ج۱، ص۲۴

۱۷ - **نظم الدرر**، ج۱، ص۸۴ (ملخص)

> گویا یہاں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا قصہ حیات بعد الموت پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا کہ جس انسان پر اللہ تعالیٰ کی اتنی عنایات ہیں یہ چیز خلافِ حکمت ہے کہ اسے مرنے کے بعد یونہی چھوڑ دیا جائے اور سورۃ الاعراف میں یہ قصہ اس آیۂ کریمہ کے بعد شروع ہوتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴾ [۱۸]
>
> ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا عطا کیا اور تمہارے لیے اس میں سامانِ زیست بنایا، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

انسانوں کے لیے زمین میں تمکّن وتصرّف کے ذکر کے بعد حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے قصے کو بیان فرمایا گیا، یہاں اس قصے کو بیان کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زمین میں غلبہ اور اقتدار عطا کرنے کا ذکر فرمایا تو انہیں یاد دلایا کہ اس غلبے اور اقتدار سے پہلے وہ کیا تھے تاکہ یہ احساس مرنے کے بعد جی اٹھنے پر دلیل ہو جس کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کر کے اس چیز کو بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے باپ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا۔ اپنی خاص روح ان میں پھونک کر انہیں علم عطا فرمایا۔ اور پھر آسمان والوں کو انہیں سجدے کا حکم دے کر انہیں جنت میں غلبہ اور اقتدار عطا فرمایا، اور اس چیز کو بھی بیان فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے کرامت وسعادت کیسے واپس لے لیتا ہے۔ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو صرف ایک درخت کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا؛ جب ان سے (بھولے سے) اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہوئی تو ان کی سب نعمتیں چھن گئیں اور انہیں جنت سے باہر آنا پڑا۔ اس میں زمین میں بسنے والوں

۱۸- سورۃ الاعراف: ۱۰

کے لیے درسِ عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح انسان سے نعمتیں چھن جانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔[۱۹]

گویا یہاں یہ قصہ تمکین فی الارض کے آداب سکھانے کے لیے اور یہ واضح کرنے کے لیے لایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے نعمتیں کس طرح چھین لیتا ہے، اور اس سورت کا مقصود بھی عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے جیسا کہ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مقصودها إنذار مَنْ أعرض عمّا دعا إليه الكتاب۔[۲۰]

اس سورت کا مقصود اس بندے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانا ہے جو کتاب اللہ کے احکام سے منہ موڑتا ہے۔

یعنی یہاں مقصودِ سورت پر اس واقعہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں یہی قصہ اس آیۂ کریمہ کے بعد آیا ہے:

﴿ فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلْمَلِكُ ٱلْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِٱلْقُرْءَانِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰٓ إِلَيْكَ وَحْيُهُۥ ۖ وَقُل رَّبِّ زِدْنِى عِلْمًا ﴾[۲۱]

پس اللہ تعالیٰ بلند و برتر شان کا مالک ہے، وہی بادشاہِ حقیقی ہے۔ آپ قرآن میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ وحی کا نزول مکمل ہو جائے اور آپ یہ کہا کریں کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اس آیۂ کریمہ اور اس کے بعد آنے والے قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام میں ربط و تعلق بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے، جس کی طرف سورت کے شروع نے اشارہ کیا،... اس حلم اور بردباری کو بیان فرمایا جو وہ اپنے بندوں پر فرماتا ہے اور اس مہلت کا ذکر فرمایا جو وہ بندوں کے وعدوں کو بھول جانے اور عہد و پیمان کو توڑنے پر انہیں دیتا ہے، پھر ہم تک آنے والے ذکر (قرآن) کی مدح اور اس سے منہ موڑنے

۱۹- نظم الدرر، ج۳، ص۱۰-۱۱

۲۰- ایضا، ج۳، ص۳

۲۱- سورۃ طٰہٰ: ۱۱۴

والے کی مذمت بیان کی۔ اس کا اختتام اس عہد سے کیا جو نبی کریم ﷺ سے امر و نہی کی صورت میں لیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بندہ ان چیزوں سے بچ سکے جو نسیان کا ذریعہ بنتی ہیں اور جو بھول جائے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اس چیز کو بیان کرنا بھی اس کا مقصد ہے کہ حلم اور بندوں کو مہلت دینا شروع سے اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔ یہ عادت مبارکہ اس ذات کی تب سے ہے جب ہم معدوم تھے، نیز یہ کہ انسان کو کمزوری کی جبلت پر پیدا کیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو گناہوں پر فوراً پکڑے تو روئے زمین پر کوئی بھی جاندار باقی نہ بچے۔۔۔ (۲۲)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں یہ قصہ اللہ تعالیٰ کے حلم اور بربادی کو واضح کرنے اور اس مہلت کو بیان کرنے کے لیے، جو اللہ تعالیٰ بندوں کو دیتا ہے، ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح آدم علیہ السلام کو ان کی خطا پر مہلت دی اور کیسے انہیں معاف فرمایا، اور اس سورت کا مقصود بھی مدعو کو مہلت دینا ہی ہے۔ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> مقصودها الإعلام بإمهال المدعوّين والحلم عنهم والترفّق بهم
> إلى أن يكونوا أكثر الأمم، زيادة في شرف داعيهم. (۲۳)
>
> اس سورت کا مقصود مدعو لوگوں کو مہلت دینے کا اعلان کرنا ہے، ان سے حلم اور نرمی کا معاملہ کرنا ہے یہاں تک کہ وہ سب سے بڑی امت بن جائیں اور اپنے داعیؐ کے شرف میں اضافے کا باعث بن جائیں۔

ثابت ہوا کہ یہاں یہ قصہ مقصودِ سورہ پر استدلال کے لیے بیان کیا گیا ہے:

سورۃ ص میں یہی قصہ ان آیات کے بعد آیا ہے:

﴿ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۞ إِن يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾ (۲۴)

> مجھے عالم بالا کی خبر نہ تھی جب وہ جھگڑتے تھے میری طرف تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔

۲۲- نظم الدرر، ج۵، ص۵۰

۲۳- ایضا، ج۵، ص۳

۲۴- سورۃ ص: ۶۹-۷۰

یہاں اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جب اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ آپؐ نذیر ہیں اور منکرین کے سوالات کے جوابات دیے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کے نزاع کو بیان فرمایا۔ [۲۵]

یعنی یہاں یہ قصہ نذیر ہونے کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نذیر ہیں، اس لیے لوگ آپ سے جھگڑیں گے، پس جس کا اعتراض بات کو سمجھنے کے لیے ہو گا وہ مطمئن ہو جائے گا، جیسے فرشتے تخلیق آدم کے سوال پر مطمئن ہو گئے تھے، اور جس کا اعتراض تعصب اور انا پرستی کی وجہ سے ہو گا وہ مطمئن نہیں ہو گا، جیسے شیطان سجدہ آدم علیہ السلام کے معاملے میں مطمئن نہ ہوا۔

قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام:

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ بھی متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے لیکن ہر جگہ اس کے ذکر کرنے کا مدعا اور مقصد مختلف ہے، مثلاً سورۃ الانبیاء میں متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے بعد ارشاد ہوتا ہے:

> ﴿ وَدَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِى ٱلْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ ٱلْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَٰهِدِينَ ۞ فَفَهَّمْنَٰهَا سُلَيْمَٰنَ ۚ وَكُلًّا ءَاتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُۥدَ ٱلْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَٱلطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَٰعِلِينَ ﴾ [۲۶]
>
> اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو) جب وہ ایک ایسی کھیتی کے متعلق فیصلہ دے رہے تھے جس میں رات کو ایک قوم کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کا مشاہدہ کر رہے تھے تو ہم نے اصل معاملہ حضرت سلیمان کو سمجھا دیا۔

اس مقام پر اس قصے کو بیان کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۲۵- نظم الدرر، ج۶، ص ۴۰۲

۲۶- سورۃ الانبیاء: ۷۸- ۷۹

ولما كان ربما قيل: لم قدّم إبراهيم ومن معه على نوح وهو أبوهم ومن أولي العزم، وموسى وهارون على إبراهيم وهو كذلك، أشار بقصة داود وسليمان - على جميعهم الصلاة والسلام - إلى أنه ربما يفضل الابن الأب في أمر، فربما قدم لأجله وإن كان لا يلزم منه تقديمه مطلقًا .(۲۷)

اور چونکہ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کے ساتھیوں کو حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام پر مقدم کیوں کیا گیا جبکہ حضرت نوحؑ ان کے باپ ہیں اور اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں؟ اور حضرت موسیٰ و ہارون عَلَیْہِمَا السَّلَام کے (ذکر کو) حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے ذکر سے کیوں مقدم کیا گیا جبکہ وہ ان کے جد امجد ہیں؟ تو حضرت داوٗد اور سلیمان عَلَیْہِمَا السَّلَام کے قصے سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ کبھی کبھی بیٹے کو باپ پر کسی خاص معاملے میں فضیلت دی جاتی ہے۔ کبھی یہ فضیلت دی تو جاتی ہے لیکن اس سے مطلق فضیلت لازم نہیں آتی۔

یعنی یہاں یہ قصہ باپ پر بیٹے کی جزوی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن جب یہی قصہ "سورۃ النمل" میں ذکر کیا گیا تو امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ وہاں اس کو ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب اس قصے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دلیل مکمل ہو گئی تو سننے والا کسی ایسی چیز کی توقع رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم پر دلالت کرے، تو اللہ تعالیٰ نے حرفِ تاکید سے اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے شروع فرمایا کہ دوسرے کے پہلے سے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں، گویا کہا گیا کہ ہم نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کے بھائی ہارون عَلَیْہِ السَّلَام کو حکمت، ہدایت، علم اور دشمنوں پر

۲۷- نظم الدرر، ج۵، ص۹۹۔۱۰۰

غلبہ عطا فرمایا۔ اسی طرح ہم نے داوٗد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو علم عطا فرمایا اور سلیمان علیہ السلام کو ایک خاص معاملہ سمجھا دیا۔[۲۸]

گویا یہاں یہ قصہ جزوی فضیلت ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے جبکہ سورۃ ص میں یہی قصہ اس آیۂ مبارکہ کے بعد آیا ہے:

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُواْ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴾[۲۹]

یہ برکت والی کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی تا کہ اس کی آیات میں لوگ غور کریں اور اہلِ عقل نصیحت حاصل کریں۔

تدبر و تذکر کے حکم کے بعد اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ یہاں اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انسان جتنا بھی غور و فکر کرے، اور اگر چہ ہمہ وقت تفکر و تدبر کرتا ہی ہے، تب بھی اس سے بھول چوک اور غفلت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی طرف رجوع کرنے والا بندہ بڑا پسند ہے :لو لم تذنبوا لجاء الله بقوم يذنبون فيستغفرون فيغفر لهم [۳۰] (اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کرنے کے بعد استغفار کریں پس اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔) جب اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ مالک ہے، سب بادشاہی اسی کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے بلند کر دیتا ہے اگر چہ کبھی اس کے بلند ہونے کا کسی نے سوچا بھی نہ ہو اور جسے چاہتا ہے پست کر دیتا ہے، اگر چہ اس کی پستی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو، اگر چہ وہ بندگی و اطاعت میں مقام رفیع پر فائز ہو، تا کہ ہر عقل مند کے لیے واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ

---

۲۸ - **نظم الدرر**، ج۵، ص۴۱۴

۲۹ -سورۃ ص: ۲۹

۳۰- **صحيح مسلم**،كتاب التوبة،باب سقوط الذنوب بالاستغفار

کرنے والا اور ہر چیز کا اختیار رکھنے والا ہے۔ ہمیشہ اس سے خیر کی امید رکھنی چاہیے اور ہمیشہ اس کے انتقام سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ [۳۱]

یعنی یہ قصہ یہاں اس لیے ذکر کیا گیا کہ کوئی بھی تفکر و تدبر کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہ سمجھے، بلکہ وہ یقین رکھے کہ کسی وقت بھی اس سے غلطی ہو سکتی ہے، اسے رحمت کی امید رکھنی چاہیے اور غلطی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا چاہیے۔ جیسے حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام کے دل میں جب گھوڑوں کی طرف ہلکا سا میلان بھی ہوا تو وہ فوراً اللہ تعالیٰ سے رب اغفرلي (اے اللہ مجھے بخش دے) کی دعائیں مانگنے لگے۔ معلوم ہوا کہ یہاں یہ قصہ تفکر و تدبر والے انسان میں بھی نسیان و ذہول کے امکان اور فوراً رجوع الی اللہ کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

ان چند مثالوں سے واضح ہوا کہ قرآن مجید میں کسی بھی قصے کا تکرار نظم و مناسبت کے تناظر میں مختلف چیزوں پر استدلال کرنے کے لیے آتا ہے۔

مبحث دوم:

تکرارِ آیت

قرآن کریم کی بعض سورتوں میں کسی ایک آیۂ کریمہ کا تکرار کیا گیا ہے جیسا کہ یہ آیۂ کریمہ سورۃ الشعراء میں آٹھ مرتبہ ذکر کی گئی ہے:

﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۞ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾ [۳۲]

اور سورۃ الرحمن میں یہ آیۂ کریمہ اکتیس مرتبہ ذکر کی گئی ہے:

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ [۳۳]

۳۱- نظم الدرر، ج۲، ص ۳۸۲

۳۲- سورۃ الشعرآء: ۱۲۱۔۱۲۱

۳۳- سورۃ الرحمن: ۱۶۔۲۸

کسی بھی موقع پر آیت کا یہ تکرار بے مقصد اور فصاحت وبلاغت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اگر اس موقع پر یہ اسلوب اختیار نہ کیا جاتا تو بلاغتِ قرآنی کا حسن ماند پڑ جاتا۔ یہ تکرار کلام میں انتہائی درجے کا حسن اور جاذبیت پیدا کرتا ہے اور مخاطب کو ہلا کے رکھ دیتا ہے۔ جیسے ایک آدمی مفلوک الحال ہو، نہ اس کے پاس سواری ہو نہ گھر، اور نہ ہی روز گار؛ ایک آدمی کو اس پر ترس آجائے، وہ اس کے لیے سواری کا بھی بندوبست کر دے، اسے روز گار بھی مہیا کرے اور اسے گھر بھی بنا کر دے، بعد میں وہ آدمی اپنے اس محسن کے متعلق کہے کہ یہ بڑا بخیل آدمی ہے، یہ تو دولت کا پجاری ہے اور انسانی اقدار سے تہی دامن ہے۔ اب محسن اس شخص سے کہے کہ تو نے فلاں فلاں بات میرے متعلق کہی تھی، تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، کیا تم بھول گئے کہ تم ایک مفلوک الحال اور تہی دامن شخص تھے، میری وجہ سے تم اس ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کر رہے ہو، ''کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟'' کیا ایسا نہیں کہ تم بے روز گار تھے؟ میں نے تمہارے لیے روز گار کا انتظام کیا: ''کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟'' کیا ایسا نہیں کہ تمہارے پاس سواری نہ تھی میں نے تمہیں سواری مہیا کی، ''کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟'' کیا ایسا نہیں کہ تمہارے پاس گھر نہ تھا، میں نے تمہیں گھر مہیا کیا ''کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟''...

جیسے یہاں یہ جملہ ''کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟'' تکرار کے ساتھ آیا ہے لیکن یہ تکرار عبث اور بے مقصد نہیں بلکہ کلام میں زور اور تاکید اسی کے سبب پیدا ہو رہی ہے اور کلام کا حسن اسی سے نکھر رہا ہے، ایسے ہی اس آیۂ کریمہ کا تکرار بھی اس موقع پر انتہائی ضروری ہے اور کلام میں بلا کی جاذبیت اور تاکید پیدا کرنے کا سبب ہے۔ وہاں جس چیز کا ذکر ہے یہ آیت اسی مفہوم کو اجاگر کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔

امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اس سورہ- سورۂ رحمن- میں یہ آیت بار بار لائی گئی ہے اور سورت کے آخر تک یہ ہر آیت کے بعد لائی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۃ القمر میں بھی گزر چکا ہے کہ جب منکر کا انکار حد سے بڑھ جائے اور بغض وعناد سے اس کا کلیجہ جل جائے، تو پھر اس کی ایک ایک بات پر کلام کیا جاتا ہے اور ہر چیز کے بعد کہا جاتا ہے ''تو اس کا انکار کیوں کرتا ہے؟'' خواہ وہ اس وقت اس کا اقرار کرے یا دشمنی پر ڈٹا رہے۔ اور یہ تکرار اس وقت بات کو واضح کرنے کے لیے آتا ہے؛ کیونکہ انکار حد سے بڑھ چکا ہوتا ہے۔ متعدد اور مختلف نعمتوں کا ایک ایک کر کے ذکر کرنا ان کی عظمت وشان کو واضح کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اگر کسی نعمت کا ذکر کیا جائے تو اس کا

احسان ہونا واضح ہے اور اگر کسی سزا کا ذکر کیا جائے تو یہ بھی ایک نعمت ہے
تا کہ انسان اس سے بچ سکے۔ (۳۴)

اس سے ثابت ہوا کہ آیت کا تکرار کلام میں تاکید اور حسن وجاذبیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے اور ماقبل آیت میں جو کچھ کہا گیا ہوتا ہے، تکرار والی آیت اس پس منظر میں وہاں لائی جاتی ہے، مثلاً قرآن کریم کی ان آیات پر غور فرمائیں:

﴿ مَرَجَ ٱلْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ * بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ * فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * يَخْرُجُ مِنْهُمَا ٱللُّؤْلُؤُ وَٱلْمَرْجَانُ * فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * وَلَهُ ٱلْجَوَارِ ٱلْمُنشَـَٔاتُ فِى ٱلْبَحْرِ كَٱلْأَعْلَـٰمِ * فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ * كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ * وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو ٱلْجَلَـٰلِ وَٱلْإِكْرَامِ * فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ (۳۵)

اس نے دو دریا جاری کر دیے جو مل کر چلتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر پاتے۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔ پھر تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے؟ اور سمندر میں چلنے والے بڑے بڑے پہاڑ جیسے جہاز اسی کے لیے ہیں، تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اس زمین میں جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے۔ آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو بڑی عظمت اور عزت والی ہے۔ تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

ان آیات میں سے پہلی تین آیات میں دو دریاؤں کے چلنے، ان کے درمیان آڑ ہونے اور ان کے آپس میں نہ ملنے پر جن و انس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ چوتھی اور پانچویں آیت میں ان دریاؤں سے موتی

۳۴- نظم الدرر، ج۷، ص۳٦۸

۳۵ -سورۃ الرحمن: ۱۹-۲۸

اور مرجان نکلنے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں۔ اگلی دو آیات میں بڑے بڑے جہازوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور آخری تین آیات میں مخلوق کی فنا کے بیان سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔

امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ یہاں تکرار والی آیت ماقبل مفہوم کو مؤکد اور واضح کرنے کے لیے آئی ہے۔ یعنی اگرچہ آیت کے الفاظ وہی ہیں لیکن قرآن کریم کے نظم ومناسبت کے تناظر میں اس کا مفہوم ہر جگہ مختلف ہے۔ جن آیات میں سمندروں کے جاری ہونے اور آڑ کے سبب آپس میں نہ ملنے پر اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں، ان کی تفسیر میں امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جب یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور آخرت پر دلیل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ جو تمہارا خالق اور رب ہے تم اس کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یعنی اپنی آسائش اور اس جیسی نعمتیں دیکھ کر۔ پس اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تم نے عالمِ موجودات میں ان چیزوں پر غور نہیں کیا کہ ان برزخوں کو جان کر تم آخرت کی تصدیق کرتے؟ کیونکہ تمہاری یہ موت بھی دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے، جیسے عشا، دن اور رات کے درمیان برزخ ہے۔ اگر تم آسمان و زمین کی ان نشانیوں میں مکمل غور کرتے تو تم انہیں پوری کائنات میں پھیلی ہوئی پاتے۔ (۳۶)

یعنی یہ آیت ”برزخ“ کے حوالے سے آخرت پر دلیل پیش کرنے اور فکر آخرت دلانے کے لیے ہے۔

دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلنے والی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> جب یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں تو تم اپنے رب، جو تمہارا مالک ہے اور سب سے بڑا بادشاہ ہے، کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ کیونکہ یہ عظیم کاریگری اس کی قدرت کی مظہر ہے۔ کیا تم آسمانی نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو یا اس کے علاوہ جو اس نے سمندروں میں تمہارے لیے فائدہ مند چیزیں بنائی ہیں،

۳۶- نظم الدرر، ج۷، ص۳۸۳

تمہیں سمندروں پر مکمل غلبہ عطا کر دیا ہے اور تم اس سے عجیب وغریب زیورات نکالتے ہو؟ (۳۷)

وہ سمندر میں چلنے والی کشتیوں کے ذکر کے بعد اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب ان میں روزی کمانے، شکار کرنے اور دور دراز شہروں میں پہنچنے کے منافع اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے رکھے ہیں۔ اور جب وہ سمندروں میں ان کشتیوں میں سفر کرتے ہیں تو اللہ کے لیے مخلص ہو جاتے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خشکی میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخلص ہوں؟ کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تصرف پر دلیل ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ حالت سفر میں اللہ تعالیٰ جو تم پر نعمتیں فرماتا ہے، پر خطر مواقع پر تمہاری مدد کرتا ہے، مشکلات سے تمہیں نجات دیتا ہے، ہواؤں سے تمہاری کشتیوں کو بھنور سے نکالتا ہے، تمہیں کشتی بنانے کا فن سکھاتا ہے اور سفر کرنے میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے تم ان کو جھٹلا سکتے ہو؟ (۳۸)

آخری دو آیات، جن میں انسان اور ہر ذی روح کے موت کے گھاٹ اترنے کا تذکرہ ہے، کی تفسیر کرتے ہوئے امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب موت فی نفسہ ایک نعمت ہے جس کا انکار ممکن نہیں اور بعض لوگوں کی موت بعض لوگوں کے لیے نعمت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا اختتام بھی اپنے انعام کو یاد دلا کے کیا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی، جس نے تمہاری تربیت اس طرح فرمائی کہ اس کا انجام فنا ہے، کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اے گروہ جن وانس! کیا تخلیق کے بعد عدم، بعض کو بعض کا جانشین بنانا اور بعض

۳۷- ایضا، ج۷، ص ۳۸۳

۳۸- نظم الدرر، ج۷، ص ۳۸۴

کی میراث بعض کے ہاتھ لگنے اور ایسے ہی بے شمار امور میں، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیا تم ان نعمتوں کا انکار کر سکتے ہو؟[۳۹]

اسی سورت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ۞ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾[۴۰]

تم دونوں پر آگ کے شعلے اور کالا دھواں بھی چھوڑا جائے گا، پھر تم کوئی مقابلہ نہ کر سکو گے۔ تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

یہاں عذاب کے ذکر کے بعد نعمت کا احساس کیوں دلایا گیا؟ یہاں یہ آیت مکرّر کیوں ہے؟ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب اس دنیا میں یہ تہدید اور ڈانٹ بذات خود ایک نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیج کر اس عذاب سے بچنے کا اہتمام بھی فرمایا تو پھر اے جن وانس! تم اپنے رب کی، جو مصیبتوں کو دور کر کے اور تمہیں منافع دے کر تمہاری پرورش فرماتا ہے، کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ کیا تمہارے لیے دنیا میں اس کی قدرت کے دلائل نہ تھے جو تمہارے لیے ایمان کو واجب کر دیتے؟[۴۱]

ان مثالوں پر غور کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ آیتِ تکرار ماقبل مفہوم کو اجاگر کرنے کے لیے ہر جگہ ایک نیا مفہوم اپنے جلو میں لیے ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ آیۂ کریمہ: ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۞ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴾[۴۲] سورۃ الشعراء میں آٹھ مرتبہ آئی ہے۔ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ بڑے قوی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ

۳۹- ایضا، ج۷، ص۳۸۵-۳۸۶

۴۰- سورۃ الرحمن ۵۵: ۳۵-۳۶

۴۱- نظم الدرر، ج۷، ص۳۹۰

۴۲- سورۃ الشعراء: ۱۲۱-۱۲۱

یہ تکرار کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے اور نبی کریم ﷺ اور جمیع مومنین کے لیے تسلی اور تشفی کے لیے ہے۔ اس سورت میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کے قصے ذکر کیے گئے ہیں اور یہ خبر دی گئی ہے کہ جب ان اقوام نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ہر قصے کے آخر میں اس آیت کو دہرایا گیا تاکہ سب لوگ جان جائیں کہ کفر اور شرک کا انجام عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا ہے۔ نیز اس میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے پیروکاروں کے لیے تسلی اور تشفی کا سامان بھی ہے کہ ان کا انجام فتح و نصرت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غلبہ رکھنے والا ہے۔ امام بقاعی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تکرار کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے ہر قصّے کے آخر میں اس آیت کو دہرایا ہے تاکہ کلام میں تاکید پیدا ہو اور جو لوگ ان کے انجام سے عبرت نہ پکڑیں، ان کی طرح گمراہی سے نہ بچیں، ان کے انجام سے خوف نہ کھائیں اور کفر کے اسی راستے پر چل نکلیں، ان کے لیے نصیحت ہے اور نبی کریمؐ کے لیے تسلی ہے۔ نیز اس سے مقصود ہر حلیم اور جاننے والے کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور ہر قلب سلیم رکھنے والے کے لیے رحمت الٰہی کا سامان مہیا کرنا ہے۔[۴۳]

اس سے واضح ہوا کہ آیتِ تکرار موقع کی مناسبت سے کلام کا تقاضا ہوتی ہے اور ماقبل آیات کی نسبت سے ہر جگہ ایک الگ شان کی حامل ہوتی ہے اور کلام کو حسن و جمال کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

۴۳- نظم الدرر، ج۵، ص۳۸۳